ISSN Online: XXXX-XXXX
علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ
ISSN Print: XXXX-XXXX
Vol.1 No.1 2022

ڈاکٹر جاوید اقبال جاوید
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

علامہ اقبالؒ کے تعلیمی اَفکار اور عصرِ حاضر کے مسائل

Allama Iqbal's educational ideas and contemporary problems

Javed Iqbal Javed
Assistant Professor, Department of Urdu, Leads University, Lahore, Pakistan.

ABSTRACT: Iqbal is the representative of poetry in all the aspects like historical poet, poet of present and modern poet. His suspended poetry communicates about broad vision, wisdom and intellectuals. Iqbal wrote poetry to save the youth and Muslim of sub-continent from destruction, miserable condition, and low mental state of the people. According to Iqbal wrong mental nurturing is gigantic and more serious mistake than the wrong political progress. A nation goes down when a nation ignores aims, culture and civilization, moral and cultural values, and religious ethics. Iqbal says a nation can progress on the basis of "broad vision". Iqbal always compare broad vision and intellectualism in terms of Quran education. It is also a fact only those nations can be destroyed who made the foundation of their thinking, vision, progress and prosperity only on their religion. A nation can't be demolished who remain determined positively on their religious values. History has evidenced that only those nations can't survive who failed in to follow the strong practicality of their deep thinking and vision. The demand of Iqbal's opinions, thoughts, revolutionary thinking has increased in the modern age. As can improve and save our power and integrity in through these Iqbal's broad vision in present and in advanced age as well.

Keywords: Modern technology, Moral depravity, Iqbal's Thought, Iqbal's teaching, Muslim of sub-continent, Westernize, Mental slavery

کلیدی الفاظ: جدید ٹیکنالوجی، اَخلاقی پستی، فکرِ اقبال، اِقبال کی تعلیمات، برِ صغیر کے مسلمان، مغرب پسندی، ذہنی غلامی

دورِ حاضر میں انسان ایجاد و اختراع، فن و حکمت سائنس، ہنر اور جدید ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اوجِ کمال کے انتہائی درجے پر گامزن ہے۔ اس نکتہ رس اور باریک بینی عقل نے ناممکنات کو ممکن بنادیا ہے۔ اس کی قوت تسخیر محض زمین تک محدود نہیں بل کہ یہ ستاروں اور سیاروں پر بھی کمندیں ڈال چکا ہے۔ تحقیق کے میدان میں قابل قدر کارنامے سرانجام دیے جا چکے ہیں، ایجادات کے شعبہ میں دنیا نت نئے اقدامات اور منازل طے کر رہی ہے۔ وہ ایجادات جو انسانی عقل و قیاس سے ماورا تھیں اب وہ حقائق کا لبادہ زیب تن کر چکی ہیں۔ عصر حاضر میں انسان نے اس قدر ترقی کے مدارج طے کر لیے ہیں کہ وہ اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے سات سمندر پار گفت گو کر سکتے ہیں۔ اقبال لکھتے ہیں:

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی (۱)

عصرِ حاضر میں انسانی زندگی پر مشین اور جدید ٹیکنالوجی کے تسلط کی وجہ سے انسانی تہذیب و ثقافت، اَفکار و خیالات میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے۔ جس کے باعث آج کا انسان فساد قلب اور فساد نظر میں مبتلا ہے اور اس کی روح میں عفت، اس کے ضمیر میں پاکی، اس کے خیال میں روحانی علو و بلندی اس کے ذوق پاکیزگی میں مفقود ہے۔ مادی طور پر تو انسان مضبوط اور مستحکم ہو چکا ہے لیکن تہذیبی اور اخلاقی طور پر پستی اور زوال کا شکار ہو چکا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں:

" عشق ناپید و خرد میگزدش صَورتِ مار
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے اَفکار کی دُنیا میں گزر کر نہ سکا
اپنی حِکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا!"(۲)

اقبال کے افکار وخیالات کا اگر گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کی نظر میں عصرِ حاضر کا انسان قلب اور نظر کے بے شمار مہلک امراضِ فاسد میں مبتلا ہو چکا ہے۔ عصر حاضر کے زیر اثر جو نسل پیدا ہوئی ہے وہ عملی طور پر دین وایمان سے محروم وعاری ہو چکی ہے۔ مذہب سے بے زاری کے رد عمل میں عہد حاضر کے انسان کی کوئی غایت ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی کوئی غرض و مقصد۔ طائرِ دین کے پرواز کر جانے اور الحاد کے انداز پیدا ہوتے ہی کردار میں تغیر کارونما ہونا ایک فطری عمل ہے۔ سزا کا خوف اور جزا کی امید یہ سب محرکات عصر حاضر کے نوجوانوں کے نزدیک ناقابل التفات ہیں۔ عصر حاضر میں جدید ٹیکنالوجی کی تعلیمات کے منفی ثمرات کے رد عمل میں تعلیمات وخیالات نے مذہب کی بیخ کنی کر دی۔ نوجونوں کے قلوب مسخ ہو گئے اور مادی عقل نے ان قلوب کو روحانی انقلاب سے بے گانہ وناآشنا کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ عشق وایمان کے رخصت ہونے سے ایسی تاریکی چھا گئی جس سے روح اخلاق اقدار سے محروم ہو کر لاغر ہونے لگی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"تہذیب حاضر کے پرستار نوجوان تقلید فرنگ میں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہم میں نئی روشنی اور علم وفن کی تنویر پیدا ہو گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام نمائشی چهل پہل حیات مستعار ہے، ملت کے اپنے نفوس میں سے کچھ نہیں اُبھرا، ایسے غلامانہ ذہنیت والے لوگوں کی بیداری نہیں اور ان کی آزادی غلامی کی پردہ دار ہے۔ یہ تازہ پرواز طیور کی دل کشی سے مسحور ہو کر اپنے آشیانے سے اتنا دور اڑ گئے ہیں کہ بھٹک جانے کی وجہ سے پھر اس پر واپس نہ آسکے گے "(۳)

علوم جدید نے نئی نوجوان نسل کو جو تعلیم دی ہے اس سے وہ اپنی سیرت کے معمار بننے سے عاری ہیں۔ اس کے رد عمل میں مسلمان کی نئی پود میں جبریت کا اثر عقیدہ تقدیر کی غلط فہمی کی وجہ سے زہر کی مانند سرایت کر گیا ہے جس نیان کے عمل کی قوت کو مفلوج کر دیا۔ تقدیر کے عقیدے نے مسلمانوں کی نئی نسل کو عمل سے غافل کر دیا ہے۔ اب جمود وخمود نے اس کے قوائے عمل پر اپنا تسلط قائم کر دیا ہے۔ آج کے انسان نے اپنی ناکامی کی ذمہ دار تقدیر کو قرار دیا ہے۔ تقدیہ دراصل ایسا لفظ ہے جو وقت کے ممکنات کو حقایق میں بدل دیتا ہے۔ محمد طاہر فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"مسئلہ تقدیر کے غلط افہام و تفہیم نے مسلمانوں کی تقدیر ہی بدل دی ہے۔ ہمارے علما وصوفیہ اس کے کافی حد تک ذمہ دار ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس کے مفہوم سے واقف نہ تھے۔ وہ تقدیر کے صحیح معنی ضرور جانتے تھے۔ مگر انھوں نے جس طرح اس مسئلہ کو عوام کے سامنے پیش کیا۔ اس نے عامیوں کے دل ودماغ پر بدترین اثر ڈالا"(۴)

اسلام نے کائنات اور اور فطرت کے متعلق یہی تصور پیش کیا ہے کہ اس کی تسخیر انسانیت کا اولین حق ہے اور یہی اس کی تقدیر ہے۔ غلامی میں غم اور رنج، افلاس اور بھوک یہی تقدیر بن جاتے ہیں۔ جب کہ اسلامی تصور حیات میں ان پر غلبہ پالینا تقدیر کہلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس قرآن کی تعلیم نے مسلمانوں کو مہ وپرویں کا امیر بنا چھوڑا تھا اسی قرآن سے ترک جہان کی تعلیم اخذ کی جارہی ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید اس ضمن لکھتے ہیں:

"اقبال نے قوموں کے عروج وزوال کے ضمن میں جو اشارے کیے ہیں وہ بڑی حد تک قرآنی تعلیم سے ماخذ ہیں۔ قرآن پاک میں مختلف قوموں کے احوال و وقائع اس لیے بیان کیے گئے ہیں تاکہ ان سے عبرت و بصیرت حاصل ہو۔ بصیرت بتاتی ہے کہ جس طرح فطرت کے قوانین ہیں جو ہر زمانے میں یکساں طور پر اپنے نتائج و اثرات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جب ان قوانین کے مطابق عمل کیا جاتا ہے تو زندگی کو عروج اور سرفرازی نصیب ہوتی ہے اور جب کبھی ان کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو قومیں ذلت و رسوائی کا شکار ہوتی ہیں"(۵)

اقبال کا خیال ہے کہ قرآن نے واضح طور پر انسان کی انفرادیت کو مستحکم کر دیا اور یہ بھی اس کو بتا دیا کہ ہم آہنگی ہی اس کی تقدیر ہے۔ انسان کی یہی انفرادیت ہے جس سے وہ اپنا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈال سکتا۔ اس کی تقدیر اس کا اپنا عمل ہے۔ قرآن مجید میں نجات کے مسئلے کو اسی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اقبال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

اسی قُرآں میں ہے اب ترکِ جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا مہ و پرویں کا امیر!
تن بہ تقدیر ہے، آج اُن کے عمل کا اَنداز
تھی نہاں جن کے اِرادوں میں خدا کی تقدیر
تھا جو ناخواب، بتدریج وہی خواب، ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر ! (٦)

اسلام میں غیر اسلامی تقسیم کے علاوہ سیاسی اور معاشرتی حالات نے قسمت پرستی کے فلسفے کو رواج دیا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ معاشرہ جب طبقاتی درجہ بندی اور بقائی اخلاق پیدا کرتا ہے تو تقدیر قسمت بن جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک آج کا مسلمان خود اپنے خدا کو فریب اور دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ تقدیر کا بہانہ کر کے عمل سے بے پرواہ ہو رہا ہے۔ بہ قول اقبال:

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کے تقدیر کا بہانہ
مِری اسیری پہ شاخِ گُل نے یہ کہہ کے صیّاد کو رُلایا
کہ ایسے پُرسوز نغمہ خواں کا گراں نہ تھا مجھ پہ آشیانہ (۷)

اقبال نے عصر حاضر کے نوجوانوں کو مذہب کے فرمان کے مطابق تعلیم دی ہے کہ انسان کو ہوائے نفسانی کی مخالفت کرنی چاہیے اور خواہشات طبعی کو شرح کے تحت رکھنا چاہیے۔ یہ نہ صرف نا قابل عمل ہے بل کہ شخصیت انسانیمخالفت کرنی چاہیے اور خواہشات طبعی کو شرح کے تحت رکھنا چاہیے۔ یہ نہ صرف نا قابل عمل ہے بل کہ شخصیت انسانی کے لیے قطعا مضر ہے۔ اس لیے وہ مکمل طور پر اس عقیدہ کا پورا قائل نظر آتا ہے کہ فراغت کے شب وروز کو اور اوقات کار کو لذت اندوزی میں صرف نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ان افعال و اعمال کو لذت بخش تصور کرتا ہے۔ جو روح کی باطنی خواہشوں اور تمناؤں کی تکمیل کرتے ہیں وہ جنسی خواہشات کے سوا کچھ نہیں۔ مختصر یہ عصر حاضر کا نوجوان اقبال کے الفاظ میں "بدن" میں غرق اور "جاں" سے بے خبر ہے۔ اقبال اپنی دوراندیشی سے مغرب کے عصر حاضر پر اثر انداز ہونے والے اثرات کو پہلے ہی بھانپ گئے تھے۔ محمد حسین خاں اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"مسلمان نوجوانوں کی حالت پر نظر ڈالئے تو چند خصوصیات نظر آئیں گی۔ مذہب سے قطعی ناواقف بل کہ بعض حالات میں نفرت، تن آسانی، فیشن پرستی، اپنی حالت کو درست کرنے کی طرف لاپرواہی، مغرب کی ہر ادا سے عشق۔ مشرق کی ہر چیز سے نفرت اس حالت میں حضرت علامہ اقبال متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے۔ قوم کی توقعات تو نوجوانوں ہی سے ہوا کرتی ہے"(۸)

عصر حاضر میں مسلم قوم کا شیرازہ بکھرنے کے قریب ہے اور مختلف سازشوں سے اس میں ٹوٹ پھوٹ ڈالی جاچکی ہے۔ مکتب اپنے مقصود سے بے خبر، علم حق مکتبوں، مدرسوں اور یونی ورسٹیوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہاں وہ علم حاصل ہوتا ہے جو تخمین و ظن ہے، سراپا حجاب ہے، جو قلب و نظر کا فساد پیدا کرتا ہے۔ اقبال اس حوالے سے اپنی فکری بصیرت کی عکاسی کرتے ہیں:

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے
تدبّر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے(۹)

اقبال کو مسلمانوں کے شاندار ماضی سے محروم ہونے کا دلی دکھ اور احساس تھا۔اقبال مغرب کی اندھی تقلید کے سخت مخالف تھے۔ عصر حاضر میں مغرب نے مسلمانوں کو سماجی، اخلاقی، تعلیمی، تہذیبی، لسانی اور ثقافتی لحاظ سے ذہنی غلامی کا شکار بنادیا ہے۔ اقبال کے نزدیک روحانیت ہی بقائے انسانی کا واحد ذریعہ ہے۔ تقلیدِ غیر سے اپنی اخلاقی اقدار کا بیڑا غرق ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی تہذیب اور روایت کی ترویج عمل میں آتی ہے جو نہ صرف دین اسلام کے لیے منافی ہے بل کہ فطرت سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نہ صرف اہل مغرب کی اندھی تقلید کو کڑی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں بل کہ وہ مشرقی علوم اور ترقی سے بھی مطمئن نہیں۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اس ضمن میں لکھتے ہیں:

> "یورپ نے پہلے علم و ہنر سے فراواں سامانِ حیات پیدا کیا اور پھر وہ فراوانی اس کی رہائش اور خورد و نوش میں جلوہ افروز ہوئی۔ مشرق کا مفلس بغیر کچھ کیے دولت مندوں کی نقالی کر کے اپنے تئیں ان کا مثیل سمجھنے لگا۔ مشرق صدیوں سے سیاسی مطلق العنانی میں آسودہ رسوائی رہا لیکن مغرب میں انسانی حقوق اور مساوات کی جدوجہد نے جمہوریت پر تجربے کرنے شروع کیے۔ ابتدا میں ان جمہوریتوں میں بھی انسان کو مساوات حاصل نہ ہوئی جس کی وہ توقع کرتا تھا اور بقول اقبال دیو استبداد ہی جمہوری قبا میں رقصاں رہا"(۱۰)

اس اندھی تقلید کے باعث عہد حاضر میں غیر مسلم اور مغربی طاقتیں مسلم تہذیب اور ممالک کو تباہ وبرباد کرنے کے درپے ہیں۔ دہشت گردی کی آڑ میں مختلف حوالوں سے تباہی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ آج کے جدید دور میں بھی مسلمان زبوں حالی کے شکار ہیں اور اتحاد عالم اسلام کی طرف سے کوئی مثبت حکمت عملی منصہ شہود پر نظر نہیں آئی۔ بہ قول اقبال:

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے

قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا

زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش

اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بے گانہ کیا

جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہیں بخشا
جس نے رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اَسرار ہیں فاش (۱۱)

اہل مغرب نے چوں کہ مسلمانوں کے علمی اثاثے کے بل بوتے پر فلسفہ جدید علم و فنون اور سائنس کی شان دار عمارت تعمیر کر لی ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مفکرین اسلام میں اقبال ہی واحد فرد ہے جس نے مسلمانوں میں روشن خیالی اور مغرب پسندی کے اسباب کی کھوج اور فکر کی طرف توجہ دی۔ مسلمان معاشرہ عصر حاضر میں زوال اور جمود کا باعث اس لیے ہو رہا ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو نہ صرف نظر انداز کر دیا بل کہ پس پردہ ڈال دیا ہے کہ ان کے مذہب کا ایک لازمی رشتہ "طاقت" کے ساتھ ہے۔ عبد الغفار شکیل اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"دنیا کے تمام اربابِ فکر دم بخود سوچ رہے ہیں کہ تہذیب و تمدن کے اس عروج اور انسانی ترقی کے اس کمال کا انجام یہی ہوتا ہے کہ انسان ایک دوسرے کی جان و مال کے دشمن بن کر کرہ ارض پر زندگی کا قیام ناممکن بنا دیں، دراصل انسانیت کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں یہ دنیا بہ دستور درندوں کی بستی رہے گی۔۔۔۔۔۔۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ ہے بنی نوع انسان کی وحدت جو رنگ و نسل سے بالاتر ہے۔۔۔۔۔ اس وقت انسان اس دنیا میں فلاح و سعادت کی زندگی نہ بسر کر سکے گا، اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندہء معنی نہ ہوں گے "(۱۲)

آج کے جدید دور کا یہ سیاسی نظام اس ابلیسی ذہن و دماغ کی پیداوار ہے جس نے دنیا کو حاکم و محکوم اور آزاد و غلاموں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حاکم اپنی نفسیات سے غلامی کو بھلاوے دے کر اپنی گرفت مضبوط کرتے جاتے ہیں۔ غلامی اپنا کمال دکھاتی ہے اور اپنے طوق کو دائمی بناتی جاتی ہے۔ مگر عہد جدید کا یہ تمدن اور یہ تہذیب جو میکانی تصورات سے بنی ہے اور جس نے فطرت اور معاشرتی قوتوں پر اس لیے قابو حاصل کر لیا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کا غلام بنا رہے۔ وہی حربے جو انسانیت کو مجروح کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ اس کی موت اور رسوائی کا سبب بن جاتے ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"دورِ حاضر کا مہذب انسان ہلاکت و بربادی کے کنارے پر کھڑا ہے، لیکن ابھی تک وہ اپنی نو بہ نو ترقیات و ایجادات کی بھول بھلیوں میں بھٹکا ہوا، قلب و نظر کی دُنیا سے کوسوں دور ہے۔۔۔۔ سائنس کی ایجاد و ترقی عالمِ انسانی کی فلاح و بہبود کے کام اُسی صورت میں اور اسی وقت آئے گی، جب مادیت کو روحانیت سے ہم آہنگ کر کے انفس و آفاق میں ایک خوش گوار توازن قائم کیا

ISSN Online: XXXX-XXXX
ISSN Print: XXXX-XXXX

جائے گا۔ سائنس کو اس لادین سیاست کی نہیں بلکہ مذہب کی دوستی و رہنمائی کی ضرورت ہے۔ یہی ایک ایسی راہ ہے جس پر چلنے سے انسان کی مادی ضروریات زندگی کے تقاضے بھی پورے ہوسکتے ہیں اور قلب و نظر بھی تسکین پاسکتے ہیں۔ انسان سیدھے سبھاؤ بھی چل سکتا ہے اور افلاک پر بھی پرواز کر سکتا ہے! یہی صراط مستقیم آج ہر اس شخص کے پیش نظر ہے جو سچے دل سے عالم انسان کو مکمل تباہی اور ہلاکت سے بچانا چاہتا ہے۔ زمان و مکان کی حدیں اب سکڑ چکی ہیں۔ مشرق اور مغرب اب عالمی سیاسیات کی اضافی اصطلاحات بن کر رہ گئی ہے"(۱۳)

عہد حاضر کے انسان کی گمراہی اس وجہ سے ہے کہ اس نے معاشی قوتوں کا استعمال اور انحصار صرف اپنی ذات تک محدود کر دیا ہے۔ انفرادی آزادی اور قومیت کا تخیل ہی عالم گیر تباہی کا ضامن ہے۔ جس طرح انفرادی خود غرضی معاشرہ میں طبقاتی امتیازات پیدا کرتی ہے، اس طرح قومی خود غرضی عالمی برادری اور مساوات کے تصور کو حقیقت نہیں بننے دیتی۔ ڈاکٹر اسلم انصاری اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"عصر حاضر میں تاریخ کے عمل کی جدلیت کو سمجھنے میں اقبال نے جس بصیرت کا اظہار کیا، وہ حیران کن بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ وہ صمیم قلب سے مشرق اور ایشیا کی مظلوم و محکوم اقوام کی بیداری اور آزادی کے خواہاں تھے۔ اگرچہ ان کا پیغام عالمگیر ہے، اور وہ ادبیات عالم میں پورے مشرق کی نمائندگی کرتے ہیں، تاہم ان کی نظریں خاص طور پر ایشیا کی بیدار ہوتی ہوئی اقوام کی صورت احوال پر مرکوز تھیں۔ ان کی شاعری میں بیسویں صدی کے اوائل کی ایشیا کی بہت سی اہم تحریکات کا پرتو ملتا ہے۔ وہ ایشیائی اقوام کے ہر نئے اقدام کو دلچسپی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ آزادی کی ہر تحریک میں انھیں ایشیائی تہذیب کی برتری اور تاریخ عالم میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے کے امکانات کا سراغ ملتا ہے۔ ان کا یہ کارنامہ کم اہمیت کا حامل نہیں کہ انھوں نے بیسویں صدی میں اردو شاعری کو پورے ایشیا کے احساسات اور امنگوں کا ترجمان بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انھوں نے اسلامی دنیا کو بالخصوص ایک نئی زندگی کا پیغام دینے کے علاوہ اسے ایک نیا فکری، انسانی اور تاریخی تناظر بھی عطا کیا"(۱۴)

دور حاضر میں جدید ٹیکنالوجی، سیاست اور صنعتی ترقیوں کو نہ صرف انسانی ترقی کی انتہا سمجھا جاتا ہے بل کہ سراہا بھی جاتا ہے۔ انسانی زندگی کے طرز بودوباش، معاشی و سماجی ترقی کی منازل طے کرنے، رسم و رواج اور تہذیب کے لحاظ سے اوج کمال حاصل کرنے کے لیے سائنس اور جدید علوم نے جو کچھ سکھایا اس کا رد عمل اور حاصل یہی ہے کہ انسان انسان کے غلام بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی خود غرضیوں نے دنیا کے چند حصوں کو محتاج اور اور چند کو صاحب اقتدار بنا دیا ہے۔ اقبال نے اپنی علمی بصیرت سے عہد جدید میں سیاسی جہات کے حقائق سے پردہ اٹھا دیا۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی لکھتے ہیں:

"تھوڑی بہت نئی تعلیم حاصل کر کے گمراہی اور مادہ پرستی میں مبتلا ہونے والے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت کے لیے اقبال نے ضروری سمجھا کہ اس زہرِ قاتل کا، جو ملت کے جسدِ اجتماعی میں سرایت کرتا جارہا ہے، تریاق پیش کریں اور عقل محض کی خامیوں اور کمزوریوں کو اور اس کے ذریعے حاصل ہونے والے علمی تجربے کے نقائص اور کوتاہیوں کو واضح کریں تاکہ یہ علم کہیں حجابِ اکبر نہ بن جائے"(۱۵)

عہد حاضر کی سیاست اپنے بچاو اور بقا کے لیے ایسی مہلک چال اور حکمت عملی کا سہارا لیتی ہے جس پر کوئی اخلاقی پابندی نہیں۔ اس کے نزدیک تہذیب و ثقافت، اخلاقی قدروں، معاشرتی و سماجی نظام حتیٰ کہ انسان کی سسکتی اور بلکتی ہوئی حالت زار کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ ان کا کام صرف اپنے گردو پیش کی زندگی کو غیر محفوظ اور غیر مستحکم بنانا ہے۔ جس طرح دولت کی زیادتی و فراوانی انسان کو ہوس پرست بنا دیتی ہے اسی طرح سیاست بھی اندھی اور ہوس پرست ہوتی ہے۔ عہد جدید کا یہ ایک گھمبیر مسئلہ ہے کہ تمام سیاسی تحریکات اپنی سوچ کا محور صرف اس بات پر مرکوز رکھتی ہیں کہ کس طرح دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک حکمرانی حاصل کی جائے۔ بہ قول اقبال:

کلیسا کی بنیاد رُہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں
کہ وہ سر بلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری
ہوئی دِین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوَس کی وزیری
دُوئی ملک و دِیں کے لیے نا مرادی
دُوئی چشمِ تہذیب کی نا بصیری (۱۶)

زمانہ قدیم ریاستی اور سیاسی نظام مخصوص قبیلوں کا اقتدار ایک عرصہ کے سکوت ہونے کے بعد دوبارہ اپنی پوری قوت کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ اس طرح ایک بار پھر دنیا مارنے، قانون کی دھجیاں اڑانے اور عیش کرنے کی دوڑیں مصروف عمل ہیں۔ تاریخ کی ورق گردانی اور گیرائی و گہرائی سے مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ عہد قدیم اس گمراہی میں مبتلا تھا کہ قبیلوں کے سردار اپنے اقتدار کو برقرار اور جاری رکھنے کے لیے اپنے آپ کو خدا کی نسل بتاتے تھے۔ عہد حاضر کے سیاست دان، حکم ران اور سردار کسی فطری قوت کے بہ جائے مادی قوتوں کی پرستش کرتے ہیں مگر قدیم کی طرح جدید عہد میں ان کو سب سے زیادہ خطرہ اپنا اقتدار چھن جانے کا ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمود علی لکھتے ہیں:

"اقبال کی یہ سنجیدہ رائے ہے کہ تعلیمِ جدید نے نئی نسل کی صرف عقلی اور ظاہری تربیت اور اعتنا اور قلب و روح کی نشوونما، روحانی ارتقا، اخلاق کی پاکیزگی اور تزکیہ نفس سے غفلت کر کے اس پر سب سے بڑا ظلم کیا ہے جس کے سبب اس کے قویٰ غیر متوازن اور، اور اس کی اٹھان غیر متناسب ہوئی ہے اور اس کی زندگی ہم آہنگی کے بجائے بے اعتدالیوں کا نمونہ بن گئی ہے، نئی نسل کے ظاہر و باطن، عقل و روح،، علم و عقیدہ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو گئی ہے"(۱۷)

اُنھوں نے مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کو پس پردہ ڈال دیا ہے۔ جس سے انسانی زندگی اور ملک و قوم کا امن تباہ و بربادی کا نشانہ بن گیا۔ اقبال قوم و ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے ایسے افراد اقتدار میں دیکھنے کے خواہش مند ہیں جو قدمی معاشرہ کی برائیوں اور لعنتوں کو انسانی زندگی سے نکال کر مستقبل کی تعمیر کریں تاکہ آنے والی نسلیں اس ترکے میں اضافہ کریں اور اسی مسلسل انسانی ارتقا اور تعمیر حیات کا سلسلہ اپنی قوت کے ساتھ جاری و ساری رہے۔ فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

"قوم کی غلامانہ ذہنیت کو دور کرنے اور اسے قعرِ غلامی سے نکالنے کے لیے اقبال نے ہمیشہ آزادی کے شعلہ آفرین گیت گائے۔ ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کے مخاطب زیادہ تر محکوم اور غریب عوام رہے"(۱۸)

فکر اقبال کی روشنی میں جدید نظام تعلیم نہ صرف الحاد پیدا کرتی ہے بل کہ بغیر کسی مقصد کے چھوڑ دیتی ہے جس کی نہ کوئی منزل ہے نہ کوئی مقصود۔ اس نظام تعلیم نے انسانی روح کی تڑپ اور دل کے سوز کو ختم کر دیا ہے۔ نوجوان نسل کی کردار سازی میں نمایاں اور خاطر خواہ تبدیلی اور ترقی کے لیے نظام تعلیم میں تبدیلی لازم ہے، جس کا بنیادی نکتہ نوجوانوں کی زندگی کا محور و منبع اسلام ہے۔ اسلام چوں کہ مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اقبال کا جو نظریہ حیات ہے وہی ان کا نظریہ تعلیم ہے۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی ارتقائی کیفیت اور مسلسل تغیر پیہم کی پابند ہونی چاہیے۔ تعلیم بھی ہمہ وقت ارتقائی کیفیات میں رہتی ہے۔ تعلیم پر معاشرتی، سیاسی، سماجی، مذہبی زمانی و مکانی رویے اور عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور اس میں ارتقا وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔ اقبال جدید ٹیکنالوجی، مشینی اور سائنسی علوم کی مخالفت کرتے ہیں تو صرف لیے کہ وہ مادے کو روحانیت پر غالب نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے نزدیک مادیت اور روحانیت کے باہمی اشتراک سے انسانی تعلیم اور تربیت دونوں ناممکن ہیں۔ ڈاکٹر طاہر حمید تنولی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"مذہبی طرزِ فکر رکھنے والے مفکرین نے اس امر کو محل نظر قرار دیا ہے کہ کسی قوم کی تہذیب کو محض اس کے علوم و ادب، فنونِ لطیفہ، صنائع بدائع، اطوارِ معاشرت، اندازِ تمدن اور طرزِ سیاست ہی پر مشتمل قرار دیا جائے کیوں کہ ان کے نزدیک یہ نفسِ تہذیب نہیں بلکہ تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں۔ یہ تہذیب کی اصل نہیں ہیں شجر تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات کی بنیاد پر متعین نہیں کی جاسکتی بلکہ ان سب کی روح تک پہنچنا چاہیے اور اس کے اساسی اُصول کی جستجو کرنی چاہیے"(۱۹)

اقبال کے مقاصد تعلیم اور عہد حاضر کے مسائل پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اقبال کی خودی جو ان کی فکر و استدلال کا بنیادی نکتہ ہے، اسی کے گرد اقبال کے تمام نظریات گھومتے ہیں۔ خودی اقبال کے نزدیک نام ہے احساس غیرت مندی کا، جذبہ خودداری کا، اپنی ذات وصفات کے پاس و احساس کا، اپنی

ISSN Online: XXXX-XXXX
ISSN Print: XXXX-XXXX

اناکو جراحت وشکست سے محفوظ رکھنے کا، حرکت و توانائی کی زندگی کو ضامن سمجھنے کا، مظاہرات فطرت سے بر سر پیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بہ جائے اپنا جہاں آپ پیدا کرنے کا۔ اقبال کے افکار و نظریات میں زندگی اصل حقیقت جس کی نمود خودی ہے۔ اس دنیا کے اندر ہر مرد حق نے پہلے اپنے نفس سے آگاہی حاصل کی اور اس کے بعد منصب انسانیت و خلافت پر فایض ہوا۔ اقبال کے مطابق:

خودی وہ ہے بحر جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجُو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں، پھر اُبھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلہ مردِ ہیچ کارہ نہیں (۲۰)

اقبال نظریات و افکار کے تناظر میں ازل سے اب تک خودی کی کار فرمائی ہے اور انھوں نے خودی کا ذکر اپنے کلام میں میں جگہ جگہ نت نئے انداز سے کیا ہے۔ کہیں یہ ظاہر کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اصل راز "خودی" ہے۔ جو توحید، خودی کی تلوار کو آب دار بناتی ہے۔ بہ قول اقبال:

خودی کا سِر نہاں، لا الہٰ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں، لا الہٰ الا اللہ
یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں ، لا الہٰ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سُود و زیاں، لا الہٰ الا اللہ (۲۱)

اقبال کے نظریہ تعلیم پر بھی خودی و بے خودی کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کے حصول کا اہم ترین مقصد تربیت خودی ہے اس کے بعد خودی اور بے خودی تحفظ اور ان کے تسلسل کو قائم و دائم رکھتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"خودی کی ماہیت کو جاننا عرفان نفس بھی ہے اور عرفان رب بھی اور اس عرفان میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زور خودی سے حیات عالم وابستہ ہے اور ہر انفرادی نفس کی استواری اس کی زندگی کی ضامن ہے۔ جو قطرہ شبنم بنتا ہے وہ چند لمحوں میں خودی کے ضعف کی وجہ سے نابود ہو جاتا ہے۔ جو قطرہ اشک بنتا ہے اور ٹپک کر ناپید ہو جاتا ہے، لیکن جو قطرہ صدف نشین ہو کر اپنی

خودی کا مستحکم کرلیتا ہے وہ گوہر بن جاتا ہے۔ جس کی موج نور تلاطم قلزم میں بھی منتشر نہیں ہوتی۔ اقبال فطرت کے مظاہر میں اپنے اس نظریے کی بہت سی دل کش مثالیں پیش کرتا ہے۔ زمین کا وجود قمر کے مقابلے میں زیادہ قوی ہے، اس لیے زمین اس سے مسحور ہو کر اس کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہے"(۲۲)

دور حاضر میں اقبال کی تعلیمات پر عمل پر ہو کر ہی نوجوان کامیابی سے سرخرو ہو سکتا ہے۔ اقبال کے نزدیک آج کے نوجوان کو چاہیے کہ اللہ پاک ہی کو اپنا معبود و رب جان لے۔ دست و نیاز اسی کے سامنے پھیلائے، ساری کائنات میں حق کے سوا کسی کو نافع سمجھے اور نہ نقصان پہنچانے والا، اپنی بندگی اور عبوبیت کا رشتہ حق سے جوڑ کر سارے عالم سے غنی اور بے نیاز۔

اقبال کی شاعری کے فکری تسلسل میں ایک ایسا آفاقی پیغام پوشیدہ ہے جو انسان کے باطنی تجربات کی مختلف جہات کا احاطہ کرتا ہے۔ اقبال کے افکار و خیالات سے مسلم دنیامیں بیداری کا احساس ہو رہا ہے۔ وہ اہل دانش اور ذوقِ نظر رکھنے والے انسان کو اپنی علمی و فکری وسعت سے آشنا کرتے ہیں۔ اقبال ایسے ناکام منصوبوں اور فلسفوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں جو اپنی منزل مقصد سے آشنا نہیں، انھوں نے عصر حاضر کے مسائل کی اپنی خداداد صلاحیتوں اور علمی بصیرت کی مدد سے نہ صرف نشان دہی کہ ہے بل کہ ان کے حل کی تلاش کے لیے بھی اپنے فکار و خیالات سے انقلابی اقدامات اٹھائے۔ اقبال اس بات سے بہ خوبی واقف تھے کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو زندگی کے چھپے رازوں سے پردہ وا کر سکتا ہے کیوں کہ اس کے ساز کو فطرت نے مضراب سے آشنا کیا ہے۔ اقبال لکھتے ہیں:

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا
خودی میں ڈُوبنے والوں کے عزم و ہمت نے
اس آبجو سے کیے بحر بے کراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا (۲۳)

اقبال کی شخصیت و فکر بتدریج ارتقا کے عمل سے گزرتی رہی ان کی فکر و بصیرت ان کے عمل کو بدلتی رہی یہی وجہ ہے کہ ان کی فکر اور شاعری نہ صرف مسلم دنیا بل کہ پوری دنیا کی زندگیوں میں انقلات لانے کا باعث بنی۔

ISSN Online: XXXX-XXXX
ISSN Print: XXXX-XXXX

کتابیات

۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء، ص ۲۲۲

۲۔ ایضا، ص ۵۸۳

۳۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزم اقبال ۲ کلب روڈ، ۲۰۱۸ء، ص ۱۲۴

۴۔ فاروقی، محمد طاہر، سیرت اقبال، لاہور: مشتاق بک کارنر، س۔ن، ص ۲۵۵

۵۔ یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، روحِ اقبال، لاہور: تعمیر انسانیت، ۲۰۱۶ء، ص ۱۷۵

۶۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۸ء، ص: ۵۲۸

۷۔ ایضا، ص ۷۴۹

۸۔ حسین خاں، محمد، اقبال، دہلی: خورشید اینڈ برادرز، ۱۹۳۹ء، ص ۱۳۲

۹۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، ص ۳۰۵

۱۰۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، ص ۱۷۱

۱۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، ص ۹۶۵

۱۲۔ شکیل، عبدالغفار، مرتب، اقبال کے نثری افکار، دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۱-۱۸۲

۱۳۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، پروفیسر، اقبال ایک مطالعہ، لاہور: بزمِ اقبال، ۲ کلب روڈ، ۱۹۹۷ء، ص ۱۳۷

۱۴۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، مرتب، اقبال کے سو سال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص ۳۴۱

۱۵۔ رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر، اقبال کا تصورِ زمان و مکان اور دوسرے مضامین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۳۴

۱۶۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، ص ۴۴۵

۱۷۔ ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی، نقوشِ اقبال، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اِسلام، س۔ن، ص ۸۶

۱۸۔ توقیر احمد خاں، ڈاکٹر، اقبال اور ہندوستان، دہلی: نئی کتاب پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۴۰

۱۹۔ حمید تنولی، ڈاکٹر، معاصر تہذیبی کشمکش اور فکرِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۸ء، ص ۶۱

۲۰۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، ص۳۷۶

۲۱۔ ایضا، ص۵۲۷

۲۲۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، ص۳۴۵

۲۳۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، ص۶۱۳